شیلے کی شہرۂ آفاق نظم "Ode to the West Wind" کے تراجم کا تقابلی مطالعہ

عطرت بتول

Itrat Batool

Scholar Ph.D, Department of Urdu,
Fatima Jinnah Women University, Rawalpindi.

ڈاکٹر محمد قاسم

Dr.Muhammad Qasim

Assistant professor, Department of Urdu,
Allama Iqbal Open University, Islamabad.

Abstract:

"Ode to the West Wind" is written by the famous romantic poet Percy Bysshe Shelley. The ode was first published in 1820. The ode represents the grandeur of a specific West Wind. Power, human limitations and the natural world are the major themes of this ode. Shelley admires the power and majesty of the West Wind. He wishes the human being realize the significance of nature by describing the power and function of the wind. The wind is guardian, destructor, wild, a musician and a source of change. The poet requests the West Wind to make him as gigantic as itself so that he can spread his innovative ideas across the world. He also requests the wind to transfigure him into a musical instrument so that he can play the melody of his thoughts to make the world aware of his existence. The wind brings winter which symbolizes death but it brings hope of the spring also. Shelley's association with the wind and his deep observation regarding its functions expressed in the ode make it worthy to be distinguished among other poems of the same context. The ode can appeal the insight of a literary mind. It is worthy enough to be translated in other language, so is translated in Urdu language by Ahmed Aqeel Ruby,

Qudrat Ullah Shahab and Ameer Chand Bahar. The paper presents a comparative study of Urdu translations of the ode.

تقابلی مطالعۂ ادب منتخب متون کے موازنہ کا نام ہے اور یہ نہ صرف منتخب متون کی مختلف جہات کی توضیح کرتا ہے بلکہ ان کی تشریح و تفہیم میں مدد ثابت ہوتا ہے۔ تقابلی مطالعہ کے تحت ادب پاروں کی نقد کا فریضہ بھی سر انجام دیا جاتا ہے جس سے تحریر کے محاسن و معائب واضح ہوتے ہیں۔ تقابلی مطالعہ سے ایک ہی متن کے کم از کم دو یا پھر اس سے زائد زاویے ہمارے سامنے آتے ہیں اور ہر زاویہ مختلف فکر، جہت، طرز و طریق کا حامل ہوتا ہے۔ یوں مجموعی طور پر ایک ہی متن کے کئی پہلو مختلف رنگ و روپ دھارے سامنے آتے ہیں۔ تقابل کا مقصد ہر گز یہ نہیں ہوتا کہ ایک تحریر کو دوسری مقابل تحریر کے سامنے کم تر ثابت کیا جائے نہ ہی اس کا مقصد کسی تحریر کا قد خواہ مخواہ بڑھانا ہے بلکہ اس طرزِ مطالعہ کا اصل مقصد اولاً تو متن فہمی کی شرح کا اندازہ لگانا ہے اور دوسرے زیرِ مطالعہ تمام تحاریر سے اصل متن سے وابستہ مثبت پہلوؤں کا مطالعہ کرنا ہے جس کی بدولت اصل متن کی تاثیر اور جمالیات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ترجمہ پاروں کے تقابلی جائزہ میں تقابلی مطالعہ کا دائرہ کار خاصا وسیع ہو جاتا ہے جس میں اصل متن کی مختلف مترجمین کے ہاں متن فہمی، متنی تہذیب شناسی، زبان دانی و قواعد دانی، ترتیبِ مفاہیم کا فن، مجموعی پیشکش اور پھر مجموعی تاثیر کی منتقلی کے فن پر بات کی جاتی ہے۔ انہی امور کی روشنی میں شیلے کی نظم Ode to the West Wind کے اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ مع تعارفِ شاعر و نظم پیش ہے۔ نظم کے مترجمین میں احمد عقیل روبی، قدرت اللہ شہاب اور امیر چند بہار کے نام شامل ہیں۔

پرسی بائشے شیلے (۴ اگست ۱۷۹۲ء تا ۸ جولائی ۱۸۲۲ء) انگریزی رومانوی عہد کا معروف رزمیہ شاعر تھا جس نے اپنے کلاسیکی کلام سے شہرت حاصل کی۔ Ode to the West Wind اور The Masque of Anarchy اس کی مثال ہیں۔ اس کی طویل نظمیں خاص شہرت رکھتی ہیں جس کی مثال Queen Mab اور Alastor ہیں۔ اس نے اپنی دوسری بیوی میری شیلے (جو فرینکن سٹین کی مصنفہ تھی) کے ساتھ کئی مہمات سر کیں۔ وہ انگلینڈ کے ایک دیہاتی علاقے براڈبرج ہیتھ میں پیدا ہوا۔ دس سال کی عمر میں سائن ہاؤس اکیڈمی میں داخل ہوا۔ پھر ایٹن کالج میں داخلہ لیا۔ یہاں ایک سال کے عرصہ میں اس نے دو ناول اور شاعری کے دو مجموعے شائع کروائے جن میں St Irvyne اور Posthumous Fragments of Margaret Nicholson شامل تھے۔ ۱۸۱۰ء کی خزاں میں شیلے یونیورسٹی کالج آکسفورڈ میں داخل ہوا۔ چند ماہ بعد ڈین نے شیلے کو اپنے دفتر حاضری کا حکم دیا۔ شیلے اور اس کے دوست تھامس جیفرسن ہاگ نے مل کر ایک پمفلٹ لکھا تھا جس کا عنوان The Necessity of Atheism تھا۔ یہ خیالاتِ معترضہ پر مبنی تھا اور کالج کی فیکلٹی اس پر ناراض تھی اس لیے یونیورسٹی نے ان دونوں لڑکوں سے کہا کہ وہ یا تو اس پمفلٹ کی تصنیف و تشہیر جاری رکھیں (اور کالج سے نکل جائیں) یا اس سے انکار کر دیں (اور کالج میں رہیں) لیکن شیلے نے پہلے

عمل کا انتخاب کیا اس لیے اسے کالج سے نکال دیا گیا۔ شیلے نے پہلی نظم Queen Mab ایک معلمہ الزبتھ ہیچنر کی محبت میں لکھی۔ اس نظم کا معنون کردار ایک پری کا تھا جو شیکسپیئر کی تخلیق تھا اور "رومیو اینڈ جیولٹ" میں بیان کیا گیا تھا جو بتاتا تھا کہ اس دنیا میں ایک مثالی معاشرہ کیسا ہونا چاہیے۔ طویل بیانیے پر مبنی شاعری کے ساتھ ساتھ شیلے نے سیاسی پمفلٹ لکھنے بھی جاری رکھے جو وہ ہاٹ ائیر بیلون کے ذریعے تقسیم کرتا تھا۔ ۱۸۱۲ء میں اس کی ملاقات ایک سیاسی مفکر ولیم گاڈون (جو Political Justice کا مصنف تھا) سے ہوئی جس نے شیلے کی مستقبل سازی میں اہم کردار ادا کیا۔ شیلے نے گاڈون کی بیٹی میری سے شادی کی۔ شیلے ایک پکا سبزی خور تھا اور اس نسبت سے اس نے خوراک اور روحانیت کے باہمی تعلق پر کافی کام تحریر کیا۔ اس ذیل میں ۱۸۱۳ء میں اس کی تحریر A Vindication of Natural Diet سامنے آئی۔ ۱۸۱۵ء میں شیلے نے The Spirit of Solitude کے نام سے ۷۲۰ مصرعوں پر مشتمل نظم لکھی جسے اس کا سب سے بڑا کارنامہ مانا جاتا ہے۔ اسی سال شیلے کے دادا کی وفات ہوئی اور اس نے شیلے کے حق میں سالانہ ۱۰۰۰ برطانوی پاؤنڈ کا الاؤنس چھوڑا۔ ۱۸۱۶ء میں شیلے سوئٹزرلینڈ گیا جہاں وہ شہرہ آفاق انگریزی شاعر بائرن سے ملا اور یہ دونوں شاعر گہرے دوست بن گئے۔ اس سفر کے دوران شیلے تسلسل سے لکھتا رہا۔ ایک طویل دن بائرن کے ساتھ کشتی کی سیر سے لطف اندوز ہونے کے بعد جب شیلے گھر لوٹا تو اس نے Hymn to Intellectual Beauty تحریر کی۔ بائرن کے ساتھ ایک فرنچ سیاحی مقام کے سفر سے واپس آکر شیلے نے Mont Blanc لکھنے کی ترغیب پکڑی جس میں انسان اور فطرت کے درمیان رشتے کو بیان کیا گیا ہے۔۔ شیلے اپنی بیوی کے ساتھ مارلو گیا تو وہاں شیلے کی دوستی جان کیٹس اور لی ہنٹ سے ہوئی جو دونوں ہی بہت قابل شاعر اور لکھاری تھے۔ ان سے گفتگو کے دوران خود شیلے پر کئی نئے ادبی در وا ہوئے۔ اگلے کئی سالوں تک شیلے اور میری شہر شہر گھومتے رہے۔ جب وہ روم میں تھے تو ان کا بیٹا ولیم مر گیا اور اس کے ایک سال بعد ان کی نو مولود بیٹی کلارا بھی مر گئی۔ اس وقت شیلے نے Prometheus Unbound تحریر کی۔ ۱۸۱۹ء میں لیوورنو میں قیام کے دوران شیلے نے انگلینڈ میں پھیلنے والے سیاسی انتشار Peterloo Massacre کے ردِ عمل میں The Cenci، The Masque of Anarchy اور Men of England تحریر کیں۔۔ ۸ جولائی ۱۸۲۲ء کو لی ہنٹ سے ملاقات اور اپنے جرنل The Liberal پر گفت و شنید کے بعد، لیوورنو سے لیریسی آتے ہوئے کشتی ڈوبنے کی وجہ سے شیلے کی موت واقع ہوئی۔ اس وقت اس کی عمر تیس سال تھی۔ کچھ متنازع شواہد کے باوجود شیلے کی موت کو حادثہ ہی قرار دیا گیا۔ کشتی ڈوبنے کے منظر کے بعض شاہدین کے مطابق شیلے کو عین کشتی کے ڈوبنے کے وقت قتل کیا جا رہا تھا جس کی وجہ شاید شیلے کے سیاسی عقائد تھے۔ شیلے کی لاش کو Viareggio کے ساحل پر جلایا گیا اور اس کی راکھ سمندر میں بہادی گئی۔ اس وقت کے رواج کے مطابق میری نے اپنے شوہر کی آخری رسومات میں شرکت نہیں کی۔ شیلے کے جسم کی باقیات روم کی پروٹیسٹینٹ سمنٹری میں محفوظ کی گئیں۔ ایک صدی سے بھی زائد عرصہ کے بعد شیلے کی یاد میں ان باقیات کو ویسٹ منسٹر

ایبے کے Poet's Corner میں جگہ دی گئی۔ (۱)

شیلے کی نظم Ode to the West Wind مغرب کی بادِ خزاں سے شاعر کا ایک خطاب ہے جس میں ہوا کی خصوصیات اور حیاتیات میں ہوا کے کردار پر بات کی گئی ہے۔ مغرب کی سمت سے خزاں کے موسم میں چلنے والی یہ ہوا اپنے ساتھ پتے اور مختلف پودوں کے بیج اڑائے پھرتی ہے اور یہ بیج بہار کے موسم تک یونہی غیر فعال اور نیم مردہ ہی رہتے ہیں لیکن اس تمام دورانیے میں بادِ خزاں یہ بوجھ سہارے پھرتی ہے۔ یہ بادِ خزاں تعمیری اور تخریبی دونوں کردار ادا کرتی ہے۔ مغربی ہوا اپنے ساتھ طوفانی بادلوں کو بھی اڑالاتی ہے اور یوں یہ سال کی موت یعنی خزاں کے اواخر اوقات کا ایک گیت بن کر سامنے آتی ہے۔ وہ رات سال کی آخری رات ہوتی ہے کہ جب بجلی کی کڑک کے ساتھ طوفانی بارش ہوتی ہے اور Mediterranean اور Atlantic سمندروں میں طوفان اٹھتے ہیں اور اس سارے عمل میں بادِ مغرب کا کردار ایک طاقتور عامل کے طور پر سامنے آتا ہے کیونکہ اسی کے دم سے بادل حرکت کرتے ہیں اور اسی کے جھنجھوڑنے پر بادل بارش برساتے ہیں، اسی کے زور پر سمندری طوفان اٹھتے ہیں اور وہی ہے جو اس سارے تخریبی عمل کے بعد نئی صبح یعنی بہار کی آمد کا اعلان کرتی ہے۔ شاعر مغربی ہوا سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اپنی بے پناہ طاقت میں سے کچھ طاقت اسے بھی دان کرے کیونکہ وہ اکثر اپنے آپ کو کمزور اور لاچار محسوس کرتا ہے۔ اگر اسے مغربی ہوا کی طاقت کا کچھ ہی حصہ مل جائے تو وہ اس طاقت کے بل پر شعر کہے گا اور اپنے خیالات کی تشہیر پوری دنیا میں کرے گا۔ اگر ہوا اس کا ساتھ دے تو یہ ساتھ اس کے روحانی احیا کے لیے ممد ہو گا اور جس طرح موسم بہار سرد موسم پر غالب آجاتا ہے اسی طرح شاعر بھی اپنی قنوطیت پر غلبہ پالے گا۔ شیلے کی یہ نظم ۱۹۲۰ء میں Prometheus Unbound میں شائع ہوئی تو ساتھ ہی اس نظم کی بابت شیلے کا ایک نوٹ بھی شامل تھا:

> "فلورنس کے قریب واقع ایک مقام Arno کے گرد پھیلے ایک جنگلی سلسلے میں قیام کے دوران اس نظم کی تخیل میں کار فرمائی اور پھر تسطیر کا عمل واقع ہوا۔ ایک دن جب ہوا اپنی پوری طاقت کے ساتھ چل رہی تھی اور اس کا درجہ حرارت کبھی عمومی درجے پر ہو جاتا اور کبھی ایک دم سے دشمنی پہ اتر آتا تھا، خزاں کی بارش کے دوران زمین کی طرف آنے والے قطروں کو یہ ہوا اپنے ساتھ اڑالے جا رہی تھی، اور اسی باد و باراں کے دوران ہی میں نے سورج کو غروب ہوتے دیکھا جبکہ اس کے ہمراہ طوفان اور بجلی کے کڑکے بھی تھے اور یہ منظر Cisalpine regions کے مخصوص مناظر میں سے تھا۔"

اس نوٹ کے تناظر میں دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ یہ نظم کسی عمومی تخیل کی مظہر نہیں بلکہ ایک خاص عملی

تجربے کی عطا ہے۔ نظم میں موجود محاکاتی عناصر جائے وقوعہ کی حقیقی تصویر کھینچتے ہیں۔ یہ نظم دانتے کے شہر فلورنس کے قرب میں قیام کے دوران لکھی گئی سو قیاس کیا جاتا ہے کہ شیلے نے اس نظم کی ہیئت کے لیے terza nina کا انتخاب اس لیے کیا کیونکہ یہ ہیئت دانتے کی Divine Comedy میں اختیار کی گئی تھی جبکہ اس سے قبل انگریزی ode میں اس کا استعمال بہت کم تھا۔ Terza nina ایک ایسی سیریز ہے جس میں triplets میں قوافی کے ایک مخصوص نمونے ... aba, bcb, cdc کی تسلسل کے ساتھ آخر تک پیروی کی جاتی ہے۔ شیلے نے اس نمونے کو تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ اپنایا ہے اور نظم کے پانچوں بند ایک معنی خیز couplet پر ختم کیے ہیں۔ Terza nina کی ہیئت کو اپناتے ہوئے بھی شیلے نے بالخصوص تین عناصر یعنی پتوں، بادل اور پانی کے ساتھ مغربی ہوا کے تعلق کو مدِ نظر رکھا اور یوں Terza nina اور مغربی ہوا کے تین خصوصی متعلقات کے امتزاج سے نظم میں باقاعدہ تنظیم و ترتیب کو برقرار رکھا گیا ہے۔

احمد عقیل روبیؔ نے اس نظم کے تمام بند، قدرت اللہ شہاب نے چار جبکہ امیر چند بہار نے دو بند ترجمہ کیے ہیں۔ ذیل میں اس نظم کے منتخب و مکمل تراجم کا تقابلی جائزہ بند اور پیش ہے۔

ODE TO WEST WIND

I

O wild West Wind, thou breath of Autumn's being,
Thou, from whose unseen presence the leaves dead
Are driven, like ghosts from an enchanter fleeing,
Yellow, and black, and pale, and hectic red,
Pestilence-stricken multitudes: O thou,
Who chariotest to their dark wintry bed
The winged seeds, where they lie cold and low,
Each like a corpse within its grave, until
Thine azure sister of the Spring shall blow
Her clarion o'er the dreaming earth, and fill
(Driving sweet buds like flocks to feed in air)
With living hues and odors plain and hill:
Wild Spirit, which art moving everywhere;
Destroyer and preserver; hear, oh, hear![(2)]

احمد عقیل روبیؔ نے پہلے بند کو ترجمہ کے قالب میں کچھ یوں ڈھالا ہے:

ا

مغربی ہوا سے
مغربی سمت سے آتی ہوئی اے وحشی ہوا
تو ہے نادیدہ مگر مثلِ خزاں تیرا وجود
ایسے ہیں خوفزدہ برگِ شکستہ تجھ سے

جیسے ساحر کی سحر کاری سے بدروحیں ڈریں
زرد اور سرخ سیاہ رنگ شجر کے پتے
تجھ سے یوں بھاگیں وبا سے کوئی انساں جیسے
گاؤں کو چھوڑ کے محفوظ ٹھکانہ ڈھونڈے
تیری تخریب میں تعمیر کا پہلو پنہاں
ان کو لے جاتی ہے تو گوشۂ تاریکی میں
یوں پڑے رہتے ہیں یہ سرد زمیں کے اندر
جیسے لاشیں کہیں قبروں میں دھری ہوتی ہیں
آخرش موسمِ گل پوش کا نغمہ سن کر
جاگ اٹھتے ہیں تہہ خاک پڑے سوئے ہوئے
کونپلیں بن کے ہواؤں میں نکل آتے ہیں
کوہ و میدان میں، جنگل میں، گلستانوں میں
گل و خوشبو کو فضاؤں میں سمو دیتے ہیں
سن مری بات ذرا غور سے اے وحشی ہوا
سارے آفاق میں موجود ہے تو طاری ہے
تو کہ تخریب کا باعث بھی ہے تعمیر بھی ہے (۳)

نظم کا عنوان سادہ انداز میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ پہلے بند میں شاعر کی مثل مترجم نے بھی "اے وحشی ہوا" کے الفاظ سے ہوا سے ٹپکتی وحشت کو بخوبی بیان کیا ہے۔unseen کے لیے "نادیدہ" اور پھر نادیدہ ہونے کے باوجود ہوا کے سحر کا بیان مؤثر پیرایے میں ملتا ہے۔the leaves dead کے متوازی لغوی مطالب کی بجائے "برگِ شکستہ" کی ترکیب مستعمل ہے جو دورانِ خزاں پتوں کی شکست وریخت کی خوب عکاس ہے۔ enchanter کی ذیل میں "ساحر کی سحر کاری" بھی عروج پر ہے۔ پتوں کے تمام مذکور رنگ اگرچہ قاری کی نظر میں ایک مکمل سماں باندھ دیتے ہیں لیکن متن میں سرخ پتوں کی نسبت بالخصوص hectic کا لفظ مستعمل ہے جو متن میں اس کے آتشیں وجود کا مظہر ہے لیکن ترجمہ میں سرخ پتوں کی اس خصوصیت کو بیان نہیں کیا گیا۔ پتوں کے فرار کا عمل تو fleeing کا مظہر ہے لیکن انسان سے تشبیہ اور پھر اگلی سطر "گاؤں کو چھوڑ کے محفوظ ٹھکانہ ڈھونڈے" الحاقی ہے۔ یا شاید اس سطر کو wintry bed کے حوالے سے قلمبند کیا گیا ہے تاہم یہ سطر متن میں موجود تصور کی مظہر نہیں کیونکہ متن کے مطابق ہوا ان پتوں کو موسم سرما کے بستر

تک پہنچا دیتی ہے اور اس اعتبار سے "گاؤں" کو پتوں کا بستر قرار دینا موزوں نہیں ۔ Pestilenc-stricken multitudes کے مقابل ہوا کے تخریبی پہلو کو اگرچہ بیان کیا گیا ہے لیکن پتوں پر گزری تباہ کاری کو اس تکرار کے ساتھ بیان نہیں گیا جیسا کہ متن میں ان الفاظ سے مذکور ہے۔ پھر chariotest کے لفظ کے مقابل متن میں "بھاگیں" کا لفظ ملتا ہے جو متن میں موجود ہوا کے رتھ پہ سوار پتوں کی سواری اور سفر کا فقط عمومی تصور قائم کرتا ہے۔ مترجم نے ترجمہ میں winged seeds کے الفاظ ترجمہ میں شامل نہیں کیے جس کی وجہ سے متن میں موجود تخم ریزی سے وابستہ تمام افعال ترجمہ میں پتوں سے متعلق معلوم ہوتے ہیں اور یوں اس چوک کی وجہ سے متن کا مکمل اثر ترجمہ میں نفوذ نہیں ہوتا۔ Pestilenc-stricken multitudes کے حوالے سے ہوا کی تخریب کے ساتھ ساتھ آگے آنے والے متن کو حوالہ بنا کر ترجمہ میں ہوا کی تعمیر کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ "تیری تخریب میں تعمیر کا پہلو پنہاں" کی سطر سے ہوا کی عاملیت کا خوب اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس سطر کے بعد کا تمام ترجمہ دراصل winged seeds اور ہوا کی کارگزاری کے متعلق ہے لیکن اس کلیدی اسم کی عدم موجودگی کی وجہ سے اگلا ترجمہ پچھلے خیالات کا تسلسل معلوم ہوتا ہے اور یوں ترجمہ میں ابہام کی کیفیت نمایاں ہو جاتی ہے کیونکہ مترجم پہلے ہی پتوں کو ٹھکانے لگا چکا ہے اور گاؤں کو ان کے لیے محفوظ ٹھکانہ قرار دے چکا ہے لیکن ترجمہ کو تسلسل کے ساتھ پڑھیں تو آگے چل کر یہی پتے سرد زمین میں مدفون ملتے ہیں اور پھر موسمِ گل کی آمد پر کونپل بن کر پھوٹ پڑتے ہیں جو ظاہر ہے ایک خلافِ فطرت بات ہے۔ winged seeds اور ہوا کا اپنا ایک الگ ہی رشتہ ہے کہ موسمِ خزاں میں ظہور پانے والے یہ بیج ایک جگہ سے دوسری جگہ تک جانے کے لیے ہوا کے محتاج ہیں اور ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک خاص عرصے کے لیے زیرِ زمین قیام کریں اور پھر موافق موسم آنے پر پھوٹ کر زمین سے باہر نکل آئیں اور اس سارے چکر میں ہوا کا کردار ایک عامل کا سا ہے کیونکہ وہی تو ہے جو پر لگے بیجوں کو اپنے دوش پہ سوار کر کے مناسب مقام تک پہنچاتی ہے۔ سو ایسے میں winged seeds کا ترجمہ میں موجود نہ ہونا ترجمہ میں خاصا خلا پیدا کر رہا ہے۔ تاہم اس سے قطع نظر اگلی سطور میں where they lie cold and low اور Each like a corpse within its grave کے مقابل ترجمہ میں انتہائی موزوں الفاظ استعمال کرتے ہوئے متن کے مفاہیم کی ترسیل کی گئی ہے۔ شاعر نے ہوائے نو آمدہ کو azure sister of the Spring یعنی "نیلے آسمان پر پھیلی بہار کی بہن" کے طور پر بیان کیا ہے اور اس نسبت سے شاعر اس ہوا کا تذکرہ کرنا چاہتا ہے جس میں جاتی خزاں اور آتی بہار کی خصوصیات یکجا ہوتی ہیں لیکن ترجمہ میں اس نسبت سے کوئی تذکرہ نہیں ملتا بلکہ اس سے اگلے مصرعہ میں موجود clarion کا ترجمہ "موسمِ گُل پوش کا نغمہ" کے الفاظ سے کرتے ہوئے بہار کا ذکر مکمل تصور کر لیا گیا ہے۔ پھر sweet buds کے مقابل کونپلوں کے پھوٹنے کا عمل تو ترجمہ میں بیان کیا گیا ہے لیکن like flocks to feed in air کے الفاظ ترجمہ میں شامل نہیں جس سے ایک بار پھر ہوا کا ایک خصوصی وظیفے یعنی نئے پودوں کو زندگی بخشنے کی خصوصیت سے روپوشی کی گئی ہے۔

آخری چار سطور کا ترجمہ البتہ بغیر کسی کمی بیشی کے مفاہیم کی ترسیل کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔

قدرت اللہ شہاب نے پہلے بند کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

ا

بادِ مغرب سے خطاب
لائی ہے مغربی گھٹا فصلِ خزاں کا قافلہ
رنج بھی غم بھی خار بھی بادہءِ بے خمار بھی
تیرے شرار سوز سے پھول چمن میں جل اٹھے
تیرے ہی نیشِ خار سے سینۂ گُل فگار بھی
تیری حیات میں نہاں مانا کہ ہے خزاں کی جاں
تیری ہی گود میں جواں پل کے ہوئی بہار بھی
پیدا ہوئے تھے برگ و گل ایک ہی رات کے لیے
تو نے دبا کے رکھ لیے تازہ حیات کے لیے (۴)

نظم کے عنوان کا ترجمہ "بادِ مغرب" کی خوب صورت ترکیب سے مزین ہے لیکن قدرت اللہ شہاب نے اس بند کے ترجمہ میں روبیؔ کے برعکس اختصار سے کام لیا ہے اور متن کی جزئیات کو اس طرح ترجمہ میں جگہ نہیں دی جیسا کہ روبیؔ کے ترجمہ میں متن کے لوازمات کا دخل نظر آتا ہے۔ یہاں بس ہوا کے ہمراہ فصلِ خزاں کے قافلے کی آمد کا بیان ملتا ہے اور اس قافلے کے مشمولات بمطابق متن تو بیان ہی نہیں کیے گئے البتہ "رنج بھی غم بھی خار بھی بادہءِ بے خمار بھی" کی سطر سے مترجم نے بادِ خزاں سے متعلق اپنے مشاہدے کے مطابق قافلے کے سوار بیان کیے ہیں۔ اگلی تمام سطور میں بھی متن سے بنیادی خیال کو اٹھایا گیا ہے لیکن اس کی پیشکش میں مترجم کے اپنے لب ولہجہ اور اپنے انداز کی واضح جھلک موجود ہے اور صاف ظاہر ہے کہ مترجم نے متن کی پابندی کو ملحوظ نہیں رکھا۔ بادِ خزاں کے شرارِ سوز سے چمن میں پھولوں کا جلنا اس کی تباہ خیزیوں کی جانب اشارہ ہے جبکہ نیشِ خار سے گُل کا سینہ چاک ہونا ہوا کے بل پہ اڑتے بیجوں کے غنچہ بن کے چٹکنے کے عمل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اسی طرح ہوا سے خزاں اور بہار دونوں موسموں کا تعلق بھی ترجمہ میں بیان کیا گیا ہے۔ آخری دو سطور میں برگ و گل کا ایک ہی رات کے لیے پیدا ہونے کا بیان کچھ غیر واضح ہے کہ اسے متن کے کس حصے سے اخذ کیا گیا ہے البتہ آخری سطر موسم بہار سے وابستہ نئی زندگیوں کی جانب مشار ہے۔ ترجمہ میں شعری محاسن اور زبان و بیان کے کمالات عروج پر ہیں لیکن ان تمام بیانات کے باوجود متن کے بہت سے اہم موضوعات ترجمہ میں شامل نہیں۔

امیر چند بہار نے اس بند کا ترجمہ نہیں کیا۔

II

Thou on whose stream, 'mid the steep sky's commotion,
Loose clouds like earth's decaying leaves are shed,
Shook from the tangled boughs of Heaven and Ocean,
Angels of rain and lightning: there are spread
On the blue surface of thine aery surge,
Like the bright hair uplifted from the head
Of some fierce Maenad, even from the dim verge
Of the horizon to the zenith's height,
The locks of the approaching storm, Thou dirge
Of the dying year, to which this closing night
Will be the dome of a vast sepulchre,
Vaulted with all thy congregated might
Of vapors, from whose solid atmosphere
Black rain, and fire, and hail will burst: oh, hear!(5)

احمد عقیل روبی کی طرف سے کیے گئے دوسرے بند کا ترجمہ درج ذیل ہے:

۲

تیری موجوں تیری لہروں کی سبک گامی سے
آسمانوں کی ترائی میں خلل آیا ہے
کانپتی ہیں فلک و بحر کی الجھی شاخیں
جن سے دھرتی پہ گرے ابر کے مردہ پتے
نیلگوں رنگ میں ڈوبی ہوئی تیری موجیں
برق و باراں کے فرشتے تیری ان موجوں پر
ایسے بکھرے ہیں کہ جیسے کوئی بے خود داسی
جذبہ جوشِ عبادت میں کرے رقصِ جنوں
بال بکھرائے افق تا بہ ثریا اپنے
یہ سیاہ بال افق تا بہ افق پھیلے ہوئے
آنے والے کسی طوفاں کی سیاہ زلفیں ہیں
تو ہی اس مرتے ہوئے سال کا اک نوحہ ہے
اور یہ ڈھلتی ہوئی رات ہے مرقد اس کا
جس کی تعمیر میں تشکیل میں شامل ہو گی

تیرے ماحول میں پھیلی ہوئی یہ سرد نمی
آگ برسے گی سیاہ رنگ کی بارش ہو گی (۶)

دوسرے بند کے ترجمہ کی ابتدائی سطر میں احمد عقیل روبیؔ نے stream کو موجوں اور لہروں کی سبک رفتاری سے واضح کیا ہے جس سے ہوا کی رفتار کے زاویے نمایاں ہوتے ہیں اور پھر ہوا کے یہی زاویے چپٹے آسمان کے ماحول ساز بھی ہیں۔ Loose clouds کی وضاحت ترجمہ میں بخوبی کی گئی ہے۔ متن کے مطابق یہ عمل اس وقت وقوع پذیر ہوتا ہے جب ہوا آسمان کے توازن میں بگاڑ پیدا کرتی ہے اور اس کے نتیجے میں آسمان بادلوں کو دھکا دیتا ہے اور تب ان بادلوں کی حیثیت مردہ پتوں کی سی ہو جاتی ہے۔ ترجمہ میں موجود "ابر کے مردہ پتے" بادلوں کی اس عدم وجودیت کے مظہر ہیں۔ پھر آسمان اور سمندر کے ملتے کناروں کا ہوا کی شدت سے کانپ اٹھنا بھی "کانپتی ہیں فلک و بحر کی الجھی شاخیں" کی صورت بخوبی بیان کیا گیا ہے۔ برق و باراں کے فرشتوں کا ہوا کی موجوں پر فریفتہ ہونے کا بیان بھی خوب ہے۔ شاعر نے ان فرشتوں کو fierce Maenad سے تشبیہ دی ہے۔ Maenad ایسی خواتین کے ٹولے کو کہا جاتا ہے جو کلاسیکی نظریات کے مطابق دیوتا Dionysus کی پیروکار تھیں۔ The Maenads کا ترجمہ عام طور پر raving ones کے الفاظ میں ملتا ہے کیونکہ یہ خواتین دیوانہ وار مے نوشی اور رقص کرتی ہیں (۷)۔ یہاں اس پر مغز تشبیہ کا مقصد مغربی ہوا کی وحشی صفت کو اجاگر کرنا ہے جس کے بل پر یہ ہوا طوفان برپا کرتی ہے۔ ترجمہ میں اس تشبیہ کی تعبیر ایک بال بکھیرے ہوئی داسی سے کی گئی ہے جو Maenad کی صفات سے متصف ہے۔ مترجم نے Maenad کی بجائے اگرچہ مقامی تشبیہ کا انتخاب کیا ہے لیکن اس سے ایک تو ترجمہ فہمی کی منزل آسان ہوتی ہے پھر متن کا مقصود بھی مرسل ہے کیونکہ عام قاری Maenad سے مانوس نہیں البتہ داسی کا تصور اس کی تخیل پروازی میں مدد ہے۔ شاعر نے دوسرے بند کے آخر میں مغربی ہوا کی آواز کو ایک ایسے نوحے سے تشبیہ دی ہے جو سال کے اختتام پر ماتم کناں ہے کیونکہ خزاں کے موسم پہ سال کا اختتام اس طرح ہو جاتا ہے کہ کئی حیاتیاتی عناصر کی زندگی ختم ہو جاتی ہے جیسے پتوں کا شاخوں سے گرنا اور سوکھی ٹہنیوں کا درختوں سے الگ ہونا اس کی ایک مثال ہے۔ بہار سے نیا موسم نیا سال شروع ہوتا ہے سو بادِ خزاں سال کی آخری رات یعنی کہ اپنے اواخر ایام کا نوحہ سنا رہی ہے۔ رات کا آسمان ایک مدفن بن چکا ہے جس میں آبی بخارات اور آسمانی بجلی کی تدفین ہو رہی ہے اور اس مرحلے پر جھکڑ اور طوفان کی آمیزش سے آسمان سیہ رنگ آنسو رو رہا ہے۔ مترجم نے بھی عین انہی خطوط پر متن کا ترجمہ کیا ہے اور بغیر کسی حذف و اضافے کے اس تمام بیان کو اس طرح نظم کیا ہے کہ ترجمہ کی مد میں متن کا کوئی بھی پہلو تشنہ نہ رہے۔

قدرت اللہ شہاب نے دوسرے بند کو ترجمہ میں کچھ یوں پیش کیا ہے:

تیرے خرامِ ناز سے پیدا اک اضطراب ہے
بحر میں بر میں باغ میں دشت میں کوہسار میں
دامنِ تار میں نہاں تیرے ہیں لاکھ آندھیاں
جیسے نہاں ہوں بجلیاں گیسوئے تابدار میں
گردشِ ماہ و سال کو منزلِ کارواں ہے تو
تیرہ و تار رات کی آخری داستاں ہے تو(۸)

پہلے بند کے ترجمہ کی مثل قدرت اللہ شہاب نے دوسرے بند کے ترجمہ میں بھی متن کی من و عن پابندی نہیں کی بلکہ متن کے چند موضوعات کو اپنے انداز میں ترجمہ میں پیش کیا ہے اور من پسند اضافے بھی کیے ہیں۔ ان اضافوں میں دشت و کہسار اور باغ کے مناظر دیکھے جاسکتے ہیں۔ مترجم نے بادِ خزاں کی چال کو "خرامِ ناز" کی ترکیب سے اضح کیا ہے اور پھر اس خرام سے پیدا ہونے والی تمام تباہ کاریوں کو صرف ایک لفظ "اضطراب" میں قید کر دیا ہے اور متن میں مذکور تمام مظاہر بشمول آسماں، برق و باراں کے فرشتے اور سمندر و آسمان کے ملتے کناروں کی بے قراری کو اسی ایک لفظ کے تابع کر دیا ہے۔ Maenad کے بکھرے بالوں کے لیے "گیسوئے تابدار" کی کاری ترکیب ملتی ہے لیکن Maenad کے متن میں مذکور دیگر تمام افعال کو ان زلفوں میں نہاں بجلیوں کی صورت پیش کرنا ہی کافی سمجھا گیا ہے۔ رات کا نوحہ بھی رندھی ہوئی آواز کے ساتھ آخری سطر میں ماتم کناں ہے۔ ترجمہ میں بادِ خزاں کی کلیدی خصوصیات کو جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے تاہم ترجمہ میں منظر کی کمی اس جامعیت سے پوری نہیں ہو سکتی۔

امیر چند بہار نے اس بند کا ترجمہ نہیں کیا۔

III

Thou who didst waken from his summer dreams
The blue Mediterranean, where he lay,
Lulled by the coil of his crystalline streams,
Beside a pumice isle in Baiae's bay,
And saw in sleep old palaces and towers
Quivering within the wave's intenser day,
All overgrown with azure moss and flowers
So sweet, the sense faints picturing them! Thou
For whose path the Atlantic's level powers
Cleave themselves into chasms, while far below
The sea-blooms and the oozy woods which wear
The sapless foliage of the ocean, know
Thy voice, and suddenly grow gray with fear,
And tremble and despoil themselves: oh, hear! (9)

احمد عقیل روبی نے تیسرے بند کو اس طرح ترجمہ کے قالب میں ڈھالا ہے:

۳

بحرِ روما کو گراں خوابی سے چونکایا ہے
گم تھا جو موسمِ گرما کے حسیں خوابوں میں
رقص کرتی ہوئی شفاف ندی کی دھن پر
خواب خوش رنگ جزیروں کے
خلیج بیا (Baia) کے
خواب پارینہ عمارت کے میناروں کے
(جن کی تصویریں چمکتی ہیں جواں لہروں پر
لہر تاباں میں چمکتے ہوئے روشن دن میں)
جن کو پہنائے گل ولالہ نے خوش رنگ لباس
حسن بے مثل بہاروں نے جنہیں بخشا ہے
ایسی خوش رنگ دل آویز حسیں تصویریں
جن کو احساس اگر دیکھے تو غش کھا جائے
او قیانوس بھی تکریم میں جھک جاتا ہے
اے ہوائے غربی تیری پذیرائی میں
سطحِ ہموار میں آجاتے ہیں کتنے ہی نشیب
اور اس بحر کی گہرائی میں اگتے پودے
کونپلیں، پھول، اُگے سبزے کی آبی بیلیں (۱۰)

تیسرے بند کے آغاز میں بادِ خزاں موسمِ گرما کے خوابوں میں کھوئے ہوئے بحرِ روما کو بیدار کرتی ہے اور اسے اس کے خوابوں کی تعبیر دیکھنے کے لیے تیار کرتی ہے۔ متن کے مطابق بحرِ روما شفاف ندیوں کے بل دار بہاؤ کی آواز سے کان لپیٹ کر خاموش سو رہا ہے لیکن مترجم نے اس شور کو ایک ایسی دھن قرار دیا ہے جس کی تال بحرِ روما کے لیے لوری کے مصداق ہے۔ pumice isle کے مقابل خلیج بیا کے خوش رنگ جزیروں کے بیان سے قاری کے تخیل میں ایک مکمل منظر آ ٹھہرتا ہے۔ پارینہ عمارات کے میناروں پر بنے نقش و نگار کا عکس دن کی روشنی میں نیلے پانی کی لہروں میں رنگ

بھرتا ہے۔ ان عمارات کی آرائش میں مستعمل گل و لالہ کی منظر کشی کرتے ہوئے خود احساس بھی ہتھیار ڈال دیتا ہے کہ ایسے کامل منظر کا بیاں کیونکر ممکن ہو؟ بحرِ روما کے خوابوں سے تصویر کیے گئے ان مناظر کے ساتھ ساتھ ہوائے غرب کی تعظیم میں بحرِ اوقیانوس بھی سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے اور اس کے پانی میں اٹھتے بھنور، اس کی گہرائی میں اگے پودے اور آبی بیلیں بھی اس کے ہمراہ ہیں۔ ترجمہ میں اس مقام تک مترجم نے متن کی جزئیات کو خوب خاطر میں رکھا ہے لیکن متن کے آخری دو مصرعے جو اس تمام منظر کا مدعا ہیں، ترجمہ میں شامل ہی نہیں کیے گئے۔ ان دو مصرعوں کے مطابق اچانک خزاں کی آواز ایک چنگھاڑ کی صورت سنائی دیتی ہے اور منظر میں موجود تمام چہرے خوفزدہ نظر آنے لگتے ہیں۔ لیکن ترجمہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں اور یوں قاری بحرِ روما اور اوقیانوس کے مندرجات تک تو رسائی پالیتا ہے لیکن ان پر بادِ مغرب سے طاری ہوتی سراسیمگی کو نہیں دیکھ پاتا اور یوں ہوا کی اس طاقت کا اندازہ نہیں ہو سکتا جو پانیوں کے وسیع سلسلوں کو بھی زیرِ پا رکھتی ہے۔ ایسے میں لازم تھا کہ ہوا کی اس عاملیت سے پہلو تہی نہ برتی جاتی کیونکہ اس تذکرے کی کمی سے منظر کے رنگ پھیکے نظر آتے ہیں۔ دراصل ہر بند کے آخر میں شیلے نے پورے اہتمام کے ساتھ خصوصی couplets تحریر کیے ہیں جو پچھلی تمام گفتگو کا حاصل ہیں، جیسے اس بند کے آخر میں موجود couplet میں ہوا کی آواز کے سوز و ساز کا بیان ہے اور اس سے اگلے بند کے آخر میں موجود couplet میں وقت کے سلاسل کو بیان کیا گیا ہے۔ ان couplets کو ترجمہ میں نظر انداز کر دینا ترجمہ کے وجود کے کسی عضو کو کاٹ پھینکنے کے مترادف ہے۔

قدرت اللہ شہاب نے تیسرے بند کا ترجمہ یوں کیا ہے:

۳

نالۂ جوش تھا خموش کس نے کیا ہے پر خروش؟
بحر کی خفتہ موج کو کس نے جگایا خواب سے؟
زلفیں عروسِ باغ کی تو نے صبا بکھیر دیں
سینۂ آب کو نئے داغ دیے حباب سے
تیری نوائے پر الم، تیری صدائے رنج و غم
تیری ندائے زیر و بم، پھیلی ہوئی ہے یم بہ یم (۱۱)

قدرت اللہ شہاب نے انتہائی اختصار کے ساتھ ہوا کی آواز کے وظائف بیان کیے ہیں۔ ہوا کی آواز نالۂ جوش میں خروش کا عنصر شامل کر دیتی ہے اور سوئے ہوئے سمندر کو خواب سے بیدار کر دیتی ہے۔ عروسِ باغ کی زلفوں کے بکھرنے کا تذکرہ متن میں موجود پرانے محلات کے ستونوں سے لپٹی پھولدار بیلوں سے اخذ کیا گیا ہے اور سینۂ آب پہ اٹھتے حباب پانی کی لہروں کی حرکات کا مظہر ہیں۔ ترجمہ میں متن کی کامل منظر کشی نہیں کی گئی اور نہ ہی بحرِ روما و اوقیانوس کی شان دکھائی

دیتی ہے لیکن جو مختصر تصویر بنائی گئی ہے اس میں پختہ رنگ بھرے گئے ہیں۔ روبی کے ترجمہ کے برعکس شہابؔ نے آخری دو سطور میں تمام منظر کے گرد خزاں کی آواز کا خوب حصار باندھا ہے۔ یہ آواز کئی زندگیوں کے خاتمے کی جانب اشارہ ہے اور یہ آواز کئی زندگیوں کو ان کے متعلقات سے الگ کرنے آئی ہے۔ یہ آواز برگِ شکستہ کی موت ہے اور یہ آواز شجر سے اٹکی ٹہنی کی موت ہے۔ یہ آواز بادلوں کو رلانے کے درپے ہے اور یہ آواز سمندر کے سکوت کی دشمن ہے۔ ایسے میں یہ آواز نوائے پر الم، صدائے رنج و غم بھی ہے اور اس میں پنہاں زیر و بم تمام اطراف پھیل کر اس کی آمد کا اعلان کر رہے ہیں۔

امیر چند بہار نے اس نظم کا ترجمہ نہیں کیا۔

IV

If I were a dead leaf thou mightest bear;
If I were a swift cloud to fly with thee;
A wave to pant beneath thy power, and share
The impulse of thy strength, only less free
Than thou, O uncontrollable! If even
I were as in my boyhood, and could be
The comrade of thy wanderings over Heaven,
As then, when to outstrip thy skiey speed
Scarce seemed a vision; I would ne'er have striven
As thus with thee in prayer in my sore need
Oh, lift me as a wave, a leaf, a cloud!
I fall upon the thorns of life! I bleed!
A heavy weight of hours has chained and bowed
One too like thee: tameless, and swift, and proud.(12)

احمد عقیل روبی کے ہاں چوتھے بند کے ترجمہ کی یہ صورت ملتی ہے:

۴

تیری قوت کو سمجھتا جو میں پتا ہوتا
ابر ہوتا تو ترے ساتھ میں اُڑتا پھرتا
ہانپتا میں تری قوت تری طاقت کے تلے
لہر یا موج سمندر کی اگر میں ہوتا
تو میں ہوتا تری قوت تری طاقت میں شریک
یا میں بچپن کی طرح ہوتا تو پھر بن جاتا
ہمسفر تیرا فلک پیما اڑانوں میں تری

جیسے بچپن کے دنوں میں نہ تھا مشکل کوئی
تیری رفتارِ فلک پیما سے آگے جانا
التجا کرتا نہ تجھ سے کبھی اے وحشی ہوا
میں ضرورت میں بھی گر میرا وہ بچپن ہوتا
ابر ہوں، موج ہوں، اک سوکھا ہوا پتا ہوں
دے سہارا مجھے اور بڑھ کے اٹھالے مجھ کو
زیست کی کانٹوں بھری سیج پہ بکھرا ہوں میں
اور مرے جسم سے خوں بہتا ہے
وقت کے بارِ گراں سے ہوں میں زنجیر بپا
اور جھکنے پہ ہوں مجبور میں تیرے آگے (۱۳)

چوتھے بند میں شاعر ہوا کی طاقت کے آگے اپنی بے بسی اور کم حیثیتی کو تسلیم کرتا ہے اور ساتھ ہی اس کی قوت کو ماپنے کی خواہش کا بھی اظہار کرتا ہے۔ احمد عقیل روبیؔ نے اس بند کے ترجمہ میں شاعر کی مثل اپنی ذات کو مختلف مظاہرِ فطرت کی صورت میں ڈھالا ہے۔ شاعر کی طرح مترجم بھی کبھی پتے کی صورت ہوا کی رفتار کو ماپتا ہے تو کبھی ابر بن کر ہوا کے پروں پہ سوار ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنے آپ کو پانی کی لہر متصور کر کے ہوا کی شدت کے زیرِ اثر رہتے ہوئے اس کی پیمائش کی کوشش کرتا ہے۔ شاعر کی طرح مترجم بھی ہوا سے صاف کہتا ہے کہ اگر اس کا بچپن ہوتا تو وہ کبھی اس ہوا سے طاقت مستعار لینے کی خواہش نہ کرتا بلکہ وہ تو ہوا کا ہمسر بن کر اس کا شریکِ سفر ہوتا کیونکہ اس وقت اس میں ہوا کی رفتار سے بھی آگے تک جانے کی طاقت اور جذبہ موجود تھا۔ لیکن اب وقت نے اس مردِ توانا کو تشہیرِ ذات کے لیے ہوا کا محتاج بنا دیا ہے اور اب اس کی حیثیت زندگی کے شجر سے گرے ہوئے زخم خوردہ سوکھے پتے کی، ابر اور موج کی سی ہے کہ جسے اپنے وجود کی تائید کے لیے ہوا کا سہارا درکار ہے۔ پھر وہ گردشِ دوراں کے ہاتھوں مجبور و بے بس ہے۔ وقت سب سے بڑا عامل ہے۔ وقت نے اس لاچار وجود سے اس کی طاقت کو چھین لیا ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ہوا سے ہمسری کا دعویٰ ہمیشہ کرتا کیونکہ اس کی فطرت میں بھی ہوا کی مثل اکھڑ پن، خودسری اور تندی و تیزی شامل ہے۔ یوں تو ترجمہ آخر تک متن کے قدم سے قدم ملا کر چلتا ہوا نظر آتا ہے لیکن پچھلے بند کی طرح مترجم نے یہاں بھی متن کے آخر میں موجود couplet کے دوسرے مصرعہ کو ترجمہ میں شامل نہیں کیا حالانکہ اس مصرعہ میں انسان اور ہوا کے مشترکہ اوصاف کا بھرپور بیان ہے اور ترجمہ میں بھی ان صفات کو بیان کیا جاتا تو متن کی مکمل تصویر سامنے آسکتی تھی۔

قدرت اللہ شہاب نے نظم کے اس پورے بند کو ترجمہ میں شامل نہیں کیا۔

امیر چند بہار نے چوتھے بند کو اس طرح ترجمہ کیا ہے:

۴

ہوتا جو میں درخت کا پتہ گرا ہوا
اڑتا مثالِ ابر تیرے ساتھ اے ہوا
اے کاش موج بن کے تیرے ساتھ رہ سکوں
پرواز کی جو تجھ میں ہے طاقت وہ بانٹ لوں
میں بھی تری طرح ہی سرِ پُر غرور ہوں
گو تجھ سے کم ہوں پھر بھی میں نازاں ضرور ہوں
اب ختم ہو چلی ہے جوانی کی داستاں
وہ ولولے وہ زور نہ جانے گئے کہاں
ہوتا جو اب بھی جوش رگوں میں شباب کا
یوں بے بسی میں تجھ سے نہ کرتا یہ التجا
اے بادِ غرب مجھ کو ذرا ساتھ لے کے چل
کانٹوں میں پھنس گیا ہوں مجھے ہاتھ دے کے چل
میں دب گیا ہوں بارِ غمِ روزگار سے
تنگ آ گیا ہوں گردشِ لیل و نہار سے
مجھ کو اٹھا کہ میں بھی ترا ہم شعار ہوں
خود سر ہوں تند و تیز ہوں برق و شرار ہوں (۱۴)

امیر چند بہارؔ نے اس نظم کے آخری دو بند ترجمہ کیے ہیں۔ اس بند کا ترجمہ کرتے ہوئے مترجم نے متن کی تمام جزئیات کو ملحوظ رکھا ہے اور اس کے بیان میں قدرے آزاد انداز اپنایا ہے۔ اس ذیل میں ترجمہ میں کچھ توضیحی رنگ اپنی جھلک دکھاتے ہیں جیسے:

میں بھی تری طرح ہی سرِ پُر غرور ہوں
گو تجھ سے کم ہوں پھر بھی میں نازاں ضرور ہوں

اور کہیں متن کو دیگر ترجمہ کے در پردہ محسوس کرنے کے لیے قاری پر چھوڑ دیا گیا ہے جیسے ان مصرعوں کا

تذکرہ ترجمہ میں نہیں ہے:

The comrade of thy wanderings over Heaven,
As then, when to outstrip thy skiey speed

پھر کہیں کہیں قیاس کا عنصر بھی ترجمہ میں سامنے آتا ہے جیسے شاعر نے تو واضح طور پر boyhood یعنی لڑکپن یا نو عمری کو بیان کیا ہے لیکن مترجم نے اس ذیل میں ایک درجہ آگے یعنی "شباب" اور "جوانی" کے الفاظ کو قیاس کیا ہے۔ ترجمہ میں الحاقی سطور بھی ملتی ہیں جیسے:

میں دب گیا ہوں بارِ غمِ روز گار سے

اب متن میں غمِ روز گار کا کوئی واضح ذکر نہیں ملتا بلکہ وقت کی ایک عمومی ستم ظریفی کو بیان کیا گیا ہے جس سے، آگے چل کر مترجم بھی "تنگ" آجاتا ہے۔ ان تمام نشیب و فراز کے باوجود ترجمہ کی سب سے خاص بات یہ ہے کہ اس میں متن کے تمام موضوعات یعنی ہوا کے سنگ پتہ اور ابر بن کر اڑنے کی خواہش، شباب سے شیب کا سفر، ہوا سے طاقت مستعار لینے کی خواہش، گردشِ ایام سنگینی۔۔ تمام کو کسی نہ کسی پیرائے میں کم یا بیش جگہ دی گئی ہے۔

V

Make me thy lyre, even as the forest is:
What if my leaves are falling like its own!
The tumult of thy mighty harmonies
Will take from both a deep, autumnal tone,
Sweet though in sadness. Be thou, Spirit fierce,
My spirit! Be thou me, impetuous one!
Drive my dead thoughts over the universe
Like withered leaves to quicken a new birth!
And, by the incantation of this verse,
Scatter, as from an unextinguished hearth
Ashes and sparks, my words among mankind!
Be through my lips to unawakened earth
The trumpet of a prophecy! O Wind,
If Winter comes, can Spring be far behind?(15)

احمد عقیل روبی کے ہاں پانچویں بند کو کچھ اس طرح ترجمہ کیا ہے:

۵

اے سبک گام، اے مغرور، اے بے قابو ہوا
جیسے جنگل سے گزرتے ہوئے تیری آواز
ساز بن جاتی ہے وہ ساز بنالے مجھ کو
کیا ہوا گر ہوں میں جھڑتے ہوئے پتوں کا شجر

تیری مضبوط صداؤں سے، ترے آہنگ سے
بن ہی جائے گا خزاؤں کا سُریلا نغمہ
روح بن جا تو مری آ، اے غضب ناک ہوا
اپنی طاقت دے مجھے اور "تُو" اب "میں" بن جا
میرے افکارِ پریشاں کو جہاں میں پھیلا
جیسے پتوں کو نئی زندگی دی ہے تو نے
اے ہوا ایسی نئی زندگی دے دے ان کو
التجا ہے میرے اشعار کی پھیلا دے انہیں
راکھ چنگاریاں اس بجھتے ہوئے چولہے کی
لے جا اے وحشی ہوا
ان کو انسانوں تلک پہنچا
میرے ہونٹوں سے زمیں سوئی ہوئی ہے تو جگا
اے ہوا دنیا کو جا کر یہ بشارت دے دے
موسم سرما اگر آ پہنچا
موسم گل بھی بہت دور نہیں (۱۶)

آخری بند میں شاعر کی ہوا کے سنگ اڑنے کی خواہش حد سے سوا ہو جاتی ہے اور مترجم کے ہاں بھی یہی خواہش نظر آتی ہے۔ بے پتہ شجر کو جنگل میں گونجتے ساز کی صورت بج اٹھنے کی خواہش ہے۔ وہ ہوا سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس کی ذات میں نفوذ پذیر ہو کر "تُو" سے "میں" بن جائے اور اس کے افکار کو دنیا تک پہنچا دے۔ وہ ہوا سے ملتمس ہے کہ جس طرح اس نے پتوں کو حیاتِ نو بخشی ہے اسی طرح اس کے اشعار میں نئی روح پھونک دے۔ شاعر کے افکار راکھ میں بجھتی چنگاریوں کی مانند اگرچہ سلگ رہے ہیں لیکن اظہار کی راہ پانے کی وجہ سے اندر ہے اندر اپنی موت آپ مر رہے ہیں۔ ایسے میں ہوا ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو اس کے اشعار سے فکرِ انسانی کی بتی سلگا سکتی ہے۔ وہ ہوا کے توسط سے انسان کو فصلِ بہار کی خوشخبری سنانے کا خواہاں ہے اور ہوا کو اپنی گفتار کی طاقت سونپ کر اس سے اسکی رفتار کی طاقت طلب کرتا ہے۔ پورے بند کا ترجمہ حرف بہ حرف اصل میں موجود خیالات کا امین ہے اور شاعر کے جذبات کا کامیاب عکاس ہے۔

قدرت اللہ شہاب نے پانچویں بند کو ترجمہ کی یہ صورت بخشی ہے:

۵

میرا چمن اجڑ گیا بادِ صبا تو کیا ہوا
تو اور میں تو ایک ہیں درد بھری صفات میں
گیت ہیں ہار جیت کے بھولی ہوئی پریت کے
دونوں کی راگنی ہے غم کارگہِ حیات میں
میری صدائے ہاو ہو لے جا صبا مثالِ بو
جا کے سنا دے کو بکو عرصہِ کائنات میں
رنگ خزاں نے لے لیے باغ میں برگ و بار کے
بلبلِ نیم جاں نہ رو، آئے ہیں دن بہار کے (۱۷)

قدرت اللہ شہاب نے حسبِ سابق اس بند کے ترجمہ میں بھی متن کی انگلی نہیں پکڑی بلکہ ترجمہ کا سفر اپنے انداز میں طے کیا ہے۔ پہلی چار سطور میں مترجم ہوا سے اپنی قرابت کے اظہار کے لیے کچھ مشترکہ عمومی صفات بیان کرتا ہے جو متن میں واضح طور پر موجود نہیں بلکہ مترجم کا ذاتی خیال ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہاں خصوصی طور پر بادِ خزاں کی بات ہو رہی ہے اس لیے اسے "بادِ صبا" سے تعبیر کرنا موزوں فعل نہیں۔

ہو لے جا صبا مثالِ میری صدائے ہاؤ
بو
جا کے سنا دے کو بکو عرصہِ کائنات میں

کی سطور سے مترجم متن کے مطابق اپنے خیالات کی تشہیر کے لیے ہوا سے استدعا کرتا ہے لیکن یہاں بھی اختصار کا عنصر نمایاں ہے۔ آخری دو سطور میں مترجم آزاد انداز میں خزاں کو برگ و بار کے رنگوں کا خائن قرار دیتے ہوئے طائرِ آزردہ کو آمدِ بہار کی نوید دیتا ہے۔ "بلبلِ نیم جاں" کی تشبیہ سے مترجم حیاتِ انسانی سے متعلقہ ان تمام آزار کی تجسیم کر ڈالتا ہے جن تذکرہ متن میں کیا گیا ہے۔

امیر چند بہار کے ہاں پانچویں بند کا ترجمہ کچھ اس طرح ملتا ہے:

۵

بن کی طرح ہے مجھ میں بھی پنہاں نوائے چنگ
دونوں پہ چھا چکا ہے اگرچہ خزاں کا رنگ
غم آشنا کریں گے تری نغمگی کو ہم
نغمے کی چاشنی کو بڑھاتا ہے اور غم

آ مجھ سے ہمکنار ہو اے بادِ تند خو
اپنا بنا مجھے بھی کہ ہے کار ساز تو
میرے خیال سارے جہاں میں بکھیر دے
اک انقلاب آئے گا میرے ہی فیض سے
اک آگ سی لگاؤں گا سحر سخن سے میں
یہ شعر بھی دبی ہوئی چنگاریاں تو ہیں
ڈوبی ہے ظلمتِ شب میں ابھی فضا
یہ پیش گوئی سوئے ہوؤں کو ذرا سنا
گو ہے خزاں کے جور سے پامال زندگی
امید رکھ کہ آئے گی فصلِ بہار بھی (۱۸)

امیر چند بہارؔ نے بھی قدرت اللہ شہاب کی طرح ترجمہ کے آغاز میں آزادانہ انداز میں اپنی اور ہوا کی صفاتِ مشترکہ کو بیان کیا ہے۔ متن کے ابتدائی مندرجات مثلاً درخت سے گرا ہوا پتے اور بادل کو ترجمہ میں جگہ نہیں دی گئی البتہ ہوا کی آواز کا فسوں ترجمہ کی مثل ہی باندھا گیا ہے۔ مترجم کو شاعر کی مانند یقین ہے کہ اس کے اشعار زمانے میں انقلاب بپا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ ہوا کے ہاتھ اپنے اشعار کے ساتھ ساتھ موسمِ گل کا پیغام بھی ظلمت میں ڈوبی دنیا تک پہنچاتا ہے۔

"Ode to the West Wind" کے تمام تراجم کو سامنے رکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قدرت اللہ شہاب نے تو خیر کسی بھی مقام پر متن کی کامل پیروی کی ہی نہیں بلکہ صرف ایک خیال اخذ کیا ہے اور پھر اس خیال کو اپنے مخصوص لب ولہجہ سے مزیب الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔ شہابؔ کے برعکس امیر چند بہارؔ نے خاصی حد تک متن کی پیروی کی ہے لیکن وہ بھی متن کے قدم سے قدم ملا کر چلنے کی سعی میں اتنے کامیاب نہیں جتنا کہ روبیؔ کے ترجمہ سے ان کی پیرویِ متن ثابت ہے۔ قدرت اللہ شہاب کے ہاں جوشِ خطابت عروج پر نظر آتا ہے جس کے مقابل اصل متن کی آواز دب جاتی ہے۔ اگر شہاب کے ترجمے کو متنی تناظر سے ہٹ کر پڑھا جائے تو یہ لطیف ہے لیکن ترجمہ میں متن کی پیروی اور مناسب تفہیم بہر حال ضروری ہے۔ جن مقامات پر بھی مترجم حذف و اضافہ کا ارتکاب کرتا ہے، وہیں متن کی کاملیت مجروح ہونے لگتی ہے۔ اس اعتبار سے قدرت اللہ شہاب کا کیا گیا ترجمہ صرف ایک ماخوذ خیال کو نظم کرنے کی حد تک ہے جو شیلے کی اس شہرہ آفاق نظم سے بہر حال زیادتی ہے۔ نظم اس قدر جاندار مفاہیم اور اندازِ بیان رکھتی ہے کہ اس کے ترجمہ میں تخفیف روا رکھنا فعلِ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ امیر چند بہار کے ہاں بھی تخفیف کا یہ عنصر نمایاں ہے البتہ جس قدر ترجمہ کیا ہے اس میں متن کو مقدم رکھا ہے۔ روبیؔ کے ترجمہ کی خاص بات یہ ہے کہ وہ شروع سے آخر تک ایک طویل متن کے ہمقدم رہے

اور باوجود چند حذوف کے انہوں نے متن کے ایک بڑے حصے کے مفاہیم کو سہل انداز میں قاری تک پہنچایا ہے۔

تقابلی جائزہ کی مد میں زیرِ مطالعہ تراجم پر مجموعی نظر ڈالیں تو احمد عقیل روبی کے کیے گئے ترجمہ کی بابت ایک بات بالکل واضح ہے اور وہ ہے متن سے از حد قرابت، روبی نے دورانِ ترجمہ جس قدر متن سے قربت اختیار کی ہے وہ دیگر مترجمین کے ہاں نہیں ملتی۔ انہوں نے متن کے مفاہیم کو پہلے سمجھا اور پھر ترجمہ کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ روبی کا مقصد ترجمہ برائے ترجمہ نہیں بلکہ ترجمہ برائے تفہیمِ متن ہے۔ روبی کے ہاں ترجمہ کاری کا شعور اور فہم نمایاں ہے جس کی بدولت ان کے تراجم میں اختلافات کی شرح کم اور مناسبات کی زیادہ ہے۔ کامیاب ترجمہ کے لیے اسی فہم کا وجود ہر مترجم کے ہاں ضروری ہے اور اس روبی میں اس فہم کی موجودگی ان کی کامیابی پر دلالت کرتی ہے۔

حوالہ جات

1. https://www.biography.com/writer/percy-bysshe-shelley1 May 2020

2. Shelley, Percy Bysshe. Poems. Poemhunter.com.The World's Poetry Archive Publication, Date: 2004, P:307

۳۔ احمد عقیل روبی، دوسرا جنم، پاکستان پبلی کیشنز، لاہور۔۲۰۰۹، ص:۸۵۔۸۶

۴۔ قدرت اللہ شہاب۔ شہاب نامہ۔ سنگ میل پبلی کیشنز۔ لاہور۔۲۰۱۵۔ ص:۱۰۶

5. Shelley. Poems. P: 307-308

۶۔ احمد عقیل، دوسرا جنم، محولہ بالا، ص:۸۶۔۸۷

7. www.brewminate.com/maenads-the-raving-ones-of-the-ancient-greek-bacchanalia/

۸۔ قدرت اللہ شہاب، شہاب نامہ۔ محولہ بالا، ص:۱۰۶۔۱۰۷

9. Shelley. Poems. P: 308

۱۰۔ احمد عقیل، دوسرا جنم، محولہ بالا، ص:۸۷۔۸۸

۱۱۔ قدرت اللہ شہاب، شہاب نامہ۔ محولہ بالا، ص:۱۰۷

12. Shelley. Poems. P: 308-309

۱۳۔ احمد عقیل، دوسرا جنم، محولہ بالا، ص:۸۸۔۸۹

۱۴۔ امیر چند بہار، نسیمِ مغرب۔ انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ۔ ۱۹۶۳۔ ص:۴۷

15. Shelley. Poems. P: 309

۱۶۔ احمد عقیل، دوسرا جنم، محولہ بالا، ص:۸۹۔۹۰

۱۷۔ قدرت اللہ شہاب، شہاب نامہ۔ محولہ بالا، ص:۱۰۷

۱۸۔ امیر چند بہار، نسیمِ مغرب، محولہ بالا۔ ص:۴۸